

The Future of Freedom

کا ترجمہ

# جمهوریت کا مستقبل

فرید زکریا

ترجمہ: باسط اعجاز



مشعل



## تعارف

### عبد جمہوریت

ہم عبد جمہوریت میں زندہ ہیں۔ گذشتہ ایک صدی کے دوران اس واحد راجحان نے عالمی حالات کے قیمین میں کلیڈی کردار ادا کیا ہے۔ 1900ء میں کسی ملک میں ایسی کسی چیز کا کوئی وجود نہ تھا جسے آج ہم جمہوریت کہتے ہیں۔ اسی حکومت جسے ہم لوگ انتخاب کے ذریعے سامنے لاتے ہیں اور ان میں ہر پانچ شہری اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ آج یہ نظام حکومت 119 ممالک تک پھیل چکا ہے جو ساری دنیا کا 62 فیصد ہے۔ کسی زمانے میں جو وطیرہ شمالی اٹلانٹک (North Atlantic) کی چند ریاستوں کا تھا۔ نوع انسان کے لیے ایک شمالی طرز حکومت قرار چکا ہے۔ باہشاہت عبد رفتہ کا حصہ ہے، فاشرم اور کیوزم ترک کیے جا چکے ہیں۔ دنیا میں بننے والے بیشتر افراد کے خیال میں ایک ہی راستہ ہے جس سے وہ اپنی حکومت کا جواز ثابت کر سکتے ہیں: جمہوریت۔ اسی لیے مصر کے حسنی مبارک (Hosni Mubarak) اور زمبابوے کے رابرٹ موگا (Robert Mugabe) جیسے آمر ہزاروں میں کر کے انتخابات کرواتے ہیں۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ ان میں بالآخر کامیاب وہ خودی قرار پاتے ہیں۔ جب جمہوریت کے دشمن بھی اس کی زبان بولنے لگیں اور اس کے طور پر ٹرینے اپنانے لگیں تو جان لیں کہ جمہوریت نے میدان مار لیا ہے۔

ہم ایک دوسرے مفہوم سے بھی عبد جمہوریت میں زندہ ہیں اور یہ مذکورہ بالا مفہوم سے کہیں وسعت کا حامل ہے۔ یونانی زبان کے مادہ کے لفظ ”ڈیوکسی“ (اردو مترادف جمہوریت) کا مطلب ہے ”(لوگوں) جمہور کی حکومت“۔ اور آج ہم ساری دنیا میں طاقت و اختیارات کا نیچے کی طرف مستقبل دیکھ رہے ہیں۔ میں اس سارے عمل کو ”جمہوریتانا“ کہتا ہوں کیونکہ اگرچہ یہ عمل صرف سیاست تک محدود نہیں رہا مگر اسکی نوعیت ایک ہی ہے: طبقاتی

تقسیم مٹ رہی ہے، سماج کے جن پہلوؤں اور نظاموں تک عوام کی رسائی نہیں تھی وہ ان پر آنکارہ ہو رہیں اور عوامی دباؤ سماجی تبدیلی کا محرك قرار پایا ہے۔ جمہوریت ایک نظام حکومت سے بدلت کر طرز زندگی کا روپ دھار پچھی ہے۔

اقتصادیات کے میدان کوئی لمحے۔ آج کا سرمایہ دارانہ نظام ماضی کی طرح عالمی، معلومات افراد اور مشیوں اور آلات پر محصر نہیں مگر یہ جمہوری ہے، اور اس میں نیا پن ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں کی اقتصادی ترقی نے بچت اور سرمایہ کاری کو عوامی رنگ دیکر صفتی ممالک کے کروڑوں افراد کو دولت سے نہال کر دیا ہے۔ اور سماجی ڈھانچے خود کو ان حالات کے مطابق ڈھانلنے پر مجبور ہیں۔ سماجی اقتصادیات کی طاقت جو صدیوں تک گئے چھٹے تاجردوں، بیکاروں اور یورو کریٹ کے قبضے میں تھی نیچے کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ آج کی بیشتر کپنیاں۔ بلکہ بیشتر ممالک بھی۔ چند امیروں کو گھاس ڈالنے کی بجائے متوسط طبقے کو پسند کرتے ہیں۔ اس میں حق بجانب بھی ہیں کیونکہ بڑے بڑے سرمایہ کاری اداروں کے اٹاٹے کارکنوں کی پیش نے بہت ہی گھٹا دیے ہیں۔

شقافت بھی جمہوری ہو گئی ہے۔ ایک زمانے میں جسے امیروں کا فینش کہا جاتا تھا آج سماج کی شافتی زندگی کا محو نہیں رہی۔ اب اس کا تھین پاپ موسقی، فلمیں اور اٹی وی کرتے ہیں۔ ان تین کے ملاپ نے جدید دنیا کے لیے یا ضابطہ اخلاقی اور شافتی حوالے ترتیب دیے ہیں جن سے سماج کا ہر فرد اتفاق ہے۔ حتیٰ کہ معاشرے میں برپا جمہوری انقلاب نے شافت کی تعریف ہی بدلتا ہے: مثلاً پرانے نظام میں ایک گلوکارہ کی شہرت و عزت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا تھا کہ اسے ”کون“، اس کو مند کرتا ہے کہ آج شہرت کا معیار یہ ہے کہ اسے ”کتنے“ لوگ پسند کرتے ہیں۔ اس اصول پر میڈونا (Madonna) بیشہ جیسی ناریں (Norman Jessye) سے آگے رہے گی کیونکہ مقدار ہی معیار قرار پاچکی ہے۔

اس ڈارانی تبدیلی کے حرکات کیا ہیں؟ کسی بھی دوسرے نمایاں سماجی مظہر کی طرح جمہوریت کی اس لبر کے پس پر دہ بہت سی قوتیں کارفرما رہیں: جیتنا لو جی کی انتدابی ترقی، متوسط طبقے میں بڑھتی ہوئی دولت اور سماج کو منتقل کرنے والے تباہی نظمات و نظریات کی ناکامی۔ ان نظامی حرکات میں ایک اور شامل سمجھتے۔ امریکہ۔ جس کی سیاست و ثافت تک جمہوری ہے۔ امریکہ کے عروج اور غلبے سے دنیا میں جمہوری انقلاب ناگزیر نظر آنے لگا

ہے۔ بہر حال اسکے مجرمات کچھ بھی ہوں یہ طے ہے کہ زندگی کے ہر شے میں جمہوری لہرنے ایسے اثرات چھوڑے ہیں جن کے آثار ان کے رونما ہونے سے پہلے ہی دکھتے لگتے ہیں۔ طبقائی تفہیم مٹ رہی ہے، فرمضبوط ہو رہا ہے اور ساح سیاست کی حدود سے کہیں آگے تک نیاروپ دھار رہا ہے۔ بلکہ اصل پات تو یہ ہے، ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں اس کی خاص بات جمہوریت کا تصور ہی ہے۔

90ء کی ہنگامہ خوردہ بھی میں ہم اکثر پڑھا کرتے تھے کہ عیننا لو جی اور انفارمیشن کو عام کر دیا گیا ہے۔ یہ قدر سے نیا تصور ہے۔ کیونکہ ااضی میں عیننا لو جی یک مرکزیت اور طبقائی و درجاتی تفہیم کو مضبوط کرتی تھی۔ مثال کے طور پر 1910ء کے آخری انقلاب میں ریڈ یو پی وی، فلموں اور میگا فونز نے سماج کو ان مراکز کے تابع کر دیا۔ اس عیننا لو جی نے معاشرے کو کسی خاص فرد یا گروہ کی رسائی میں کر دیا۔ اسی لئے وہن ملک کے لئے وی ایشیان اور ریڈ یو پر قبضہ کرنا اکیسویں صدی کی جنگی حکمت عملی کا کلیدی تھیار قرار پایا۔ لیکن معلومات کے معاصر انقلاب نے حالات حاضرہ جاننے کے اس قدر سرچھتے مہیا کر دیے ہیں کہ مرکزی کششوں ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ امنیت اس عمل میں منگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ صحافی تھامس فرینڈ میں کے بقول، ”ہر کوئی رابطے میں تو ہے لیکن کسی کے کنٹرول میں نہیں۔“

عیننا لو جی اور انفارمیشن کو جمہوریانے کا مطلب ہے کہ کوئی بھی ان پر ہاتھ ڈال سکتا ہے؛ جیسا کہ بڑے بیانے پر تباہی پھیلانے والے تھیاروں تک۔ ہم جانتے ہیں کہ اسامہ بن لادن 90ء کی دہائی میں حیاتیاتی تھیار کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا لیکن جرمان کن امریہ ہے کہ کامل میں القاعدہ کی الماریوں میں پڑی ہوئی سائنسی معلومات اور کتابخانے کی حکومت کی سرکاری تجویز گاہ سے نہیں چائے گئے تھے۔ یہ تمام دستاویزات امنیت سے ڈاؤن لوڈ کی گئی تھیں۔ اگر آپ بھی انھر کس یا زہر بنانے کے طریقے پر کیمیکلز کو تھیاروں میں استعمال کرنے کے طریقے جاننا چاہتے ہیں تو محض ایک بہترین سرچ انجن درکار ہے۔ پر زوں کا حصول بھی پہلے سے کہیں زیادہ سہل ہو چکا ہے۔ بیشتر اوقات آپ کو صرف معلومات ہی درکار ہوتے ہیں اور گزشتہ بھائی سے بڑے بیانے پر اور گردبھری پڑی ہیں۔ اب تو کیمیائی عیننا لو جی بھی عام دستیاب ہے۔ اسے تشدود کا جمہوریانہ کہہ سمجھ۔

یہ محض ایک پرشش فقرہ نہیں ہے۔ تشدود کا عام ہو جانا بھی عصری دنیا کا ایک اساسی

— اور خوفناک۔ پہلو بن چکا ہے۔ سماج پر طاقت کے جائز استعمال کا اختیار صدیوں سے ریاست کے ہاتھ میں تھا۔ فرداور ریاست کے مابین طاقت کا یہی عدم توازن، اُسن اور جدید تہذیب کے شیرازے کی بیجانی کا ضامن تھا۔ لیکن گزشتہ چند دن بعد سے ریاست کا یہ اختیار بھی کمزور پڑ گیا ہے۔ اب چھوٹے چھوٹے گروپ بھی خوفناک کارروائیاں کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف تودھشت گردی ریاست کے لیے ایک برا خطرہ بن کر ابھری ہے اور دوسری طرف اس وجہ سے اسے دوسرے محاذوں پر بھی سخت مقابلے کا سامنا ہے۔ کارروائی، عوامی حکومتیں، غیر سرکاری تنظیمیں، ریاست کو کمزور کر کے مشبوط ہو رہی ہیں۔ ریاستوں کے مابین افراد، مشیات، دولت اور تھیاروں کی غیر قانونی آمد و رفت اس کمزوری پر مہر قدمیں کرتی ہیں۔ طاقت کے اس پھیلاوے کے آگے بند نہیں باندھا جاسکے گا کیونکہ بڑے پیمانے پر ٹینکنالوجی، سماجی اور اقتصادی تبدیلیاں اس کی محک ہیں۔ تاہم 11 تمبر کے بعد ریاست اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ میران جنگ میں واپس آگئی ہے۔ پس دہشت کا یہ عہد سماج کے مقنوروں کو جھوڑیا نے والی توتوں اور ریاست کے مابین سے عبارت ہو گا۔

ان ہاتوں کا مقصد جمہوریت کا کمتر نظام ثابت کرنا نہیں بلکہ بعض حالات میں اس نے جیران کن تباہ کر دیتے ہیں۔ ہم میں سے کون ایسے دور میں واپس جانا چاہے گا جب فرد کے پاس بہتر زندگی کے موقع کم تھے اور وہ انتہائی مشکل اور مجبور زندگی از رہا تھا؟ تاہم کسی بھی بھر پور انقلاب کی طرح جمہوریت کے بھی کچھ تاریک پہلوتوں ہیں لیکن ہم شاذ نہ اڑ رہی ان پر بات کرتے ہیں۔ اگر کوش بھی کریں تو قورا ”پرانے خیالات“ کے اڑام کے نیچے دھر لے جائیں گے۔ اس کا مطلب ہے ہم بھی بھی وقت سمجھنے کی کوش سے باز نہیں آتے۔ کیونکہ ہمیں خود پر ”غیر جمہوری“ ہونے کے اڑام کا خوف ہوتا ہے اسلئے یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہماری زندگیوں میں جمہوریت کے اس بڑھتے ہوئے اثر و سونخ سے کیا کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ جمہوریت کسی بھی مسئلے کو جنم نہیں دے سکتی۔ اس لیے جب ہمیں اپنے اردو گرد سماجی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کے انبار نظر آتے ہیں تو ان سے آنکھیں چانے لگتے ہیں، انہیں کسی دوسرے رنگ میں پیش کرنے کی کوش کرتے ہیں، ان کا اڑام دوسروں پر دھرتے ہیں لیکن اس انقلاب کا ذکر نہیں کرتے جو ہماری سیاسی سماجی اور

اقتصادی زندگیوں کا مخوب بن چکا ہے۔

### جمهوریت آزادی

امریکی ڈپلمیٹ رچرڈ ہالبروک (Richard Holbrook) نے 1990ء میں یوگوسلاویہ کے متعلق کہا تھا، ”فرض کریں شفاف مصروف انتخابات میں نسل پسند، بھگجو اور علیحدگی پسند منتخب ہو جائیں تو کیا ہو گا۔“ یہی سوال گوگوں کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ”صرف یوگوسلاویہ میں نہیں پوری دنیا میں بھی صورتحال ہے۔ مثال کے طور پر عالم کو درپیش مسائل چانجز کا جائزہ لیں۔ ان انتخابات زدہ ممالک میں جمہوریت کی ضرورت تو محبوں ہوتی ہے مگر انتخابات کے نتیجے میں مولکیت یا ایسے ہی حالات پیدا ہونے پر کیا کریں گے؟ جمہوریت کے نتیجے میں قائم ہونے والی کوئیں ریفرینگ کے ذریعے اپنے اقتدار کو بدل دے کر یادوبارہ منتخب ہو کر بیشتر حالات میں آئینی حدود کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں اور اپنے شہریوں کو بنیادی حقوق سے محروم رکھے گئی ہیں۔ ساری دنیا میں ایسا ہی ہے۔ پیرو سے فلسطین، گھانہ سے ویزو دیا تک پھیل اس صورت حال کو ”غیر لبرل یا غیر روشن خیال جمہوریت“ کہا جاسکتا ہے۔

مغرب کے لیے جمہوریت کا مطلب ہے ”روادار جمہوریت۔“ ایسا سیاسی نظام جس میں انتخابات نہ صرف شفاف ہوں بلکہ قانون کی مکملیت، تقدیم اختیارات اور اظہار راء، اجتماع، مذہب اور جائیداد جیسے بنیادی حقوق کی حفاظت دے۔ لیکن ان تمام آزادیوں اور حقوق، جنہیں ”آئینی رواداری“ کہا جاسکتا ہے، کا جمہوریت سے کوئی خاص سروکار نہیں اور ان کا ساتھ۔ مغرب میں بھی۔ دیر پانیں رہا۔ ہنڑ بھی تو آزاد انتخابات کے نتیجے میں ہی جرمی کا چانسلر بنا تھا۔ مغرب میں گزشتہ پچاس برسوں کے دوران جمہوریت اور آزادی ایک دوسرے میں گھل مل گئے ہیں۔ لیکن روادار جمہوریت کے یہ دو پہلو جو مغربی کے سیاسی تانے پانے میں بُنے ہوئے تھے، ساری دنیا میں ان کا شیرازہ بکھرنے لگا ہے۔ جمہوریت تو پھل پھول رہی ہے۔ مگر آزادی نہیں۔

وسطی ایشیا جیسے دنیا کے بعض حصوں میں انتخابات نے آمریت کی راہ ہموار کی جبکہ بعض میں یہ فرقہ وارانہ نسلی تصادم کا باعث بنی ہے۔ مثال کے طور پر یوگوسلاویہ اور انڈونیشیا

آج کے جمہوریت میں اس دور کی نسبت کہیں زیادہ کم جمہوری اور عدم روادار ہیں جب ان آمر (مطلق العنوان حکمرانوں ”میٹھا اور سہارتو کے دور میں“) حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح اور بہت سی موجودہ غیر جمہوری ریاستوں میں انتخابات حالات میں خاطر خواہ بہتری نہیں لا پائیں گے۔ اگر آج عرب دنیا میں انتخابات کروائیں جائیں تو عین ممکن ہے موجودہ آمریت سے زیادہ عدم روادار، مغرب مختلف اور سامی شقتوں اقتدار میں آجائیں۔

تیزی سے جمہوری ہوتی اس دنیا میں تبدیلی میں رکاوٹ بننے والی حکومتیں یہم فعال معاشروں کو ختم دیتی ہیں جیسا کہ عرب دنیا میں ہوا۔ ایسے ممکن کی عوام اپنی سماجی حقوق کی صورتحال کے حوالے سے احساس کرتی محسوس کرتے ہیں کیونکہ سی این این بی بی سی اور الجیریہ جیسے ظہی وی جیلوں پر تبادل نظمامات کو دیکھتے رہتے ہیں۔ لیکن نئی جمہوریتیں بھی ناکام ثابت ہوئی ہیں اور ان سے انتشار گراتی، تشدد اور استھصال کی نئی صورتوں نے جنم لیا ہے۔ ایران اور وینسٹر ویلا دیکھیں۔ یقیناً ان وجودہات کی بنیاد پر انتخابات ترک نہیں کر دیتے چاہتیں، لیکن یہ منظر سوال ضرور اٹھتا ہے کہ ان پر بیان کن حالات کا سبب کیا ہے؟ ترقی پندریہ ممالک کو مشکل اور حقیقی جمہوری معاشروں کے قیام میں اس قدر رکاؤں کا سامنا کیوں ہے؟ کیا ہم عراق میں جمہوریت کے قیام جیسے چلنج کا سامنا کریں اور اس میں کیونکر کامیاب ہوں گے؟

اولاً یہ واضح کیا جائے کہ سیاسی جمہوریت سے کیا مراد ہے؟ ہیر وڈوٹس کے وقت سے اب تک اس کی تعریف ”لوگوں کی حکومت“ ہی کیا جاتا رہا ہے۔ پیشتر ہم عصر کاربھی جمہوریت کو حکومت کے انتخاب کا عمل ہی گردانے ہیں۔ آج کے سرکردہ سیاسی سامنہ دان سیمویگل پی ہنٹن (Samuel P. Huntington) اپنی کتاب The Third Wave میں لکھتے ہیں:

”عام، آزاد اور منصفانہ انتخابات ہی جمہوریت کا عین ہیں اور اس شناختی علامت سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ انتخابات کے میتھے میں غیر فعال، کرپٹ، ٹھک نظر، غیر ذمہ دار اور مخصوص ایجنسیاں کرنے والی اور عوامی مفاد کی پالیسیاں اپنانے میں ناکام حکومتیں وجود میں آ سکتی ہیں۔ ایسی پالیسیاں انہیں ناپسندیدہ تو بنا دیتی ہیں مگر غیر جمہوری نہیں ہوتیں۔ جمہوریت عوامی

بھلائی کا محض ایک راستہ ہے نہ کہ بذات خود بھلائی ہے۔ دوسری سماجی بھلائیوں اور برائیوں سے جمہوریت کا رشتہ اسی وقت سمجھا جاسکتا ہے جب دوسرے سیاسی نظام کی بنیادی خصوصیات سے فرق واضح کیا جائے۔“

یہ تعریف جمہوریت کے متعلق رائے عام سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔ جب کوئی لکھ کش اجتماعی انتخابات منعقد کرائے تو ہم اسے ”جمہوری“ کہتے ہیں اور جب ملکی سیاست میں عوامی شمولیت بڑھ جائے۔ مثلاً عروتوں کو ووٹ کا حق دینا۔ تو یہ اور زیادہ جمہوری کہلانے لگتا ہے۔ یقیناً انتخابات کا آزاد اور منصفانہ ہوتا بہت ضروری ہے مگر اس کے لیے آزادی رائے اور اجتماع کی حفاظت دینا لازم ہے۔ لیکن ان بنیادی شرائط کو نظر اندر کر کے کسی ریاست کو مخصوص سیاسی اقتصادی اور مذہبی نظام کی حفاظت دینے سے ہی جمہوری کہنا ”جمہوریت“ کو بے معنی کر دیتا ہے۔ سو یہاں کا اقتصادی نظام افرادی چائیدادی محدود اجازت دیتا ہے، فرانس میں کچھ عرصہ قبل تک اُو دی ریاست کے زیر انتظام اور برطانیہ میں بھی ایک سرکاری نہ ہب ہے۔ لیکن یہ سب جمہوری ریاستیں کہلاتے ہیں۔ ”جمہوریت“ ہونے کا مطلب ہے، موضوعی طبقاً سے، ”اچھی حکومت“ اسے بے معنی بنا دیتی ہے۔

دوسری طرف آئینی آزاد خیالی حکومت کے انتخاب کا طریقہ کاربنیں بلکہ اس کے منہجاً مقصود کا نام ہے۔ یہ مغرب کی اس قدیم روایت کی طرف اشارہ ہے کہ حکومت احتصال کی کسی بھی صورت۔۔۔ ریاست نہ ہب یا سماج۔۔۔ کے خلاف فرد کی آزادی اور عزت نفس کی حفاظت کرے۔ اس اصطلاح میں دو کم و میش مماثل تصورات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ یہ اپنے فلسفیانہ ماغذ، جس کا آغاز یونانی اور رومیوں سے ہوئی جس میں فرد کی آزادی پر زور دیا گیا، کے حوالے سے آزاد خیال (لبرل) \* ہے۔ جب کہ اس حفاظ سے آئینی ہے کہ قانون کی حاکیت کو سیاست کا محور گردانی ہے۔ آئینی آزاد خیالی کا آغاز مغربی یورپ اور امریکہ میں زندگی چائیداد نہ ہب اور تقریر کے حق کے لیے فرد کی حفاظت کے طور پر \* میں نے یہاں لبرل ازم یا آزاد خیال کی اصطلاح کو 19 ویں صدی کے معنوں میں استعمال کیا ہے نہ کہ ”جدید امریکی“، ”مفہوم“ میں۔ اول الذکر میں فرد کی معافی، سیاسی اور مذہبی آزادی سے سروکار رکھا جاتا ہے، اسے ”کلامیکل لبرل ازم“ بھی کہتے ہیں۔ جبکہ موخر الذکر میں اسے سے مراوفلاجی ریاست، ثبت اقدامات اور دوسری حکمت عملیاں لی جاتی ہیں۔

ہوا تھا۔ اس کے لیے حکومتی اختیارات پر قدغن، قانون کی حاکیت، غیر جانبدار عدالتیہ اور مہب اور سیاست میں تقسیم پر زور دیا گیا۔ معمولی فرق کے ساتھ آئینی آزاد خیالی کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ہر انسان بعض فطری حق رکھتا ہے جنہیں اس کی ذات سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اور حکومت کو ان کی حفاظت کے لیے ایک بنیادی قانون منظور کرنا چاہیے جس میں اسکے اپنے اختیارات کو محدود کیا گیا ہو۔ اس طرح 1215ء میں رومنیہ کے مقام پر برطانوی جاگیرداروں نے بادشاہ کو اپنے اختیارات پر قدغن لگانے پر بجور کر دیا۔ امریکی مقبوضہ علاقوں میں 1638ء میں ہارٹ فوڈ قصہ نے جدید تاریخ کا پہلے قریبی آئین پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا 1789ء میں امریکی آئین نے نئی ریاست کے لیے ایک نظری ڈھانچہ تخلیل دیا۔ 1975ء میں مغربی اقوام نے غیر جمہوری ریاستوں کے لیے بھی ایک ضابطہ اخلاق مرتب کر دیا۔ میکنا کارنالہ Carta Magna (American Fundamental Orders of Connecticut)، امریکی آئین (American Constitution) اور ہیلیکی کا فائل ایکٹ Act (Helsinki Final Act) سب آئینی آزاد خیالی کا مظہر ہیں۔

1945ء سے لے کر مغرب حکومتوں نے پیشہ اوقات جبوريت اور آئینی آزاد خیالی کو، یہی وقت اپنایا ہے۔ اس لیے ان دونوں کو علیحدہ تصور کرنا مشکل ہے۔ چاہے یہ غیر آزاد خیال جمہوریت کی شکل میں ہو یا آزاد خیال مطلق الخاکیت کے روپ میں۔ دراصل یہ دونوں کسی نہ کسی صورت میں نہ صرف باضی میں موجود تھے بلکہ حال میں بھی وجود رکھتے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک مغربی یورپ کی پیشتر ریاستیں یا تو آزاد خیال آمریقیں تھیں یا یمن جمہوریتیں۔ آبادی کا محدود حصہ ووٹ ڈال سکتا تھا اور قانون ساز اداروں کے منتخب اراکین کے اختیارات بھی محدود تھے۔ 1830ء میں برطانیہ، جو یورپ کی جمہوری ترین ریاست تھی، میں پارلیمنٹ کے انتخاب کے لیے کل آبادی کے مشکل 2 فیصد حصے کو ووٹ کا حق تھا۔ پیشتر مغربی ریاستیں 1940ء کی دہائی کے آخر میں مکمل جمہوریتیں بنیں اور بالآخر حق رائے دہی کو متعارف کر لیا۔ لیکن اس سے ٹھیک ایک سو سو قلی 1840ء میں، ان میں سے پیشتر نے قانون کی حاکیت، ذاتی جائیداد، اطمینان رائے اور اجتماع کا حق تسلیم اور اختیارات کو تقسیم کر کے آئینی آزاد خیالی کو اپنالیا تھا۔ جدید تاریخ کے پیشتر حصے میں یورپ اور شمالی امریکہ کی

بیادی خصوصیت آئینی آزادخیالی تھی اور اسی خصوصیت نے ان ریاستوں کو باقی جمہوریتوں سے ممتاز کیا۔ مغربی طرز حکومت کی ”نمایندہ خصوصیات“ عوامی انتخابات نہیں، غیر جانبدار عدیل ہے۔

جزیرہ ہاگ کا گنگ کی تنفسی منی ریاست کی دہائیوں تک اس کا منہ بولتا شوت رہی کہ شہری آزادی کا تعلق جمہوریت سے قطعاً نہیں ہے۔ اس میں آئینی آزادخیالی کا معیار تو دیا میں سب سے بلند تھا مگر یہ کسی بھی صورت میں جمہوریت نہ تھی۔ حتیٰ کہ 1990ء میں ہاگن کا گنگ کی میں کو جو الگی کا وقت قریب آنے پر کمی مغربی اخبارات اور رسائل اول الذکر کی جمہوریت کو تکچھے والے نقصان کی باتیں کرنے لگے۔ لیکن اس میں کوئی جمہوریت تھی ہی نہیں جس کی بات کی جاتی دراصل یہ خطرہ ہاگ کی آزادی کی روایات کو تھا۔ آئندہ بھی تم آج ان دونوں تصورات کو گذوڑ کرنا جاری رکھیں گے۔ امریکی اور اسرائیلی سیاستدان اکثر فلسطین اتحاری کو غیر جمہوری ہونے پر تفہید کا شانہ بناتے ہیں۔ مگر پوری عرب دنیا میں یا سر عرفاتی ہی واحد ہمنا تھے جو قدرے آزاد انتخابات کے ذریعے منتخب ہوئے ہوں۔ فلسطینی اتحاری کا مسئلہ جمہوریت نہیں۔ جو بری طرح ناکام ہونے کی وجہ سے ادھوری ہے۔ بلکہ آئینی آزادخیالی یا اس کا غیر موجود ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی جمہوریت اور شہری آزادی میں صدام کا خطرہ ہوتا ہے امریکی خاص طور پر اس سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ جمہوری نظام کے تحت جنوبی امریکہ میں غالباً کو جائز قرار دیا گیا تھا جب جمہوریہ کا وجود عمل میں آیا تو غالباً کے مخالفین گوگلوں کی کیفیت سے دوچار ہو گئے کیونکہ جنوب کے تمام رائے وہنگان اس کے پر جوش حاصل تھے۔ بالآخر اس کا خاتمہ رائے عامہ سے نہیں کیا گیا بلکہ شانے جنوب کو فکست دے کر اسے فتح کر لیا۔ اور پھر جنوب میں غالباً کی جگہ لینے والے ”جم کرو نظام (Jim Crow)“ کا خاتمہ بھی 1950ء سے 60ء کی دہائی میں جمہوریت سے نہیں بلکہ اس کے پرکش حالات میں ہوا۔ اگرچہ 1964ء کا شہری حقوق کا قانون، جو آزادی کے لئے حرف آخر تھا ہوا، کا نگران نے منظور کیا لیکن ماضی میں اس قسم کی پیش قدمیاں ہمیشہ افران بالا کے توسط سے ہوتی تھیں، جیسا کہ فوجوں میں انتیزی سلوک، سپریم کورٹ میں درخواست دائر کرنا وغیرہ۔ آزادی اور جمہوریت کا آپس میں مقابض حالت آنا امریکہ کا ایک الیہ رہا ہے۔